ڈاکٹر خالد محمود

ایک بین الاقوامی شخصیت

ہمارے بعد ہمارے ہی تذکرے ہوں گے
ہمارے بعد ہی محسوس اِک کمی ہوگی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ :

مولانا بنوری بھی مرحوم ہوگئے' قافلے کا بچھڑا سپاہی اپنے قافلے میں جاملا' مولانا کی بین الاقوامی شخصیت اور علمی عبقریت نے اسلاف کے خاکوں میں رنگ بھرا، پرانے متون پر نئے حاشیے لگائے' عصر حاضر کے تقاضوں میں اسلام کی رہنمائی کو پیش کیا' اغیار کے چیلنج قبول کئے اور ہر پلیٹ فارم پر اسلام کی ترجمانی کی۔ پاکستان میں حکومتوں پر حکومتیں بدلیں' ہر سربراہ نے ان کے آگے جبینِ عقیدت جھکائی' مگر اس مردِ درویش نے اپنی زندگی کے سفر کو وہیں ختم کیا' جہاں سے اس نے اپنی علمی اور فکری زندگی کا آغاز کیا تھا' اس نے آگے بڑھنے کو نہیں چودہ سو سال پیچھے لوٹنے کو کامیابی سمجھا اور پھر اسی صف میں جا کھڑا ہوا' جہاں اہلِ حق اپنے خیمے لگا چکے تھے۔

بین الاقوامی شخصیت

مولانا کی بین الاقوامی شخصیت کے پس پشت کوئی سیاسی تنظیمات نہ تھیں جو دنیا کے مختلف گوشوں میں مولانا کا تعارف کرائیں' نہ اطرافِ ملک میں پھیلے کوئی دارالمطالعہ تھے جو مولانا کی تحریرات کی مسلسل اشاعت کرتے اور مولانا کا بین الاقوامی نظریاتِ زندگی میں کسی نظریۂ عمل سے کوئی سمجھوتہ بھی نہ تھا کہ اس کے تعاون سے لادینی تحریکات کا سامنا کریں اور بین الاقوامی شہرت پائیں' مولانا ان تمام مادی سہاروں سے بے نیاز ہوکر چلے، اور اہلِ حق کے قافلے ہمیشہ اسی راہ سے چلے ہیں' خدا جب انہیں مقبولیت کا شرف بخشتا ہے تو وقت کے اہلِ کمال کے دل ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں' ان کا نام فقیری میں بھی بادشاہی کرتا ہے' اور یہ بین الاقوامی شخصیت کا وہ انداز ہے جو مولانا بنوری کو نصیب ہوا۔ مولانا کی علمی عبقریت، حق گوئی، نمائش سے کنارہ کشی، عصری بصیرت اور

حق پژوہی نے انہیں پاک و ہند، مشرق وسطیٰ، بلاد افریقہ اور اکناف یورپ میں حق کا بطلِ جلیل اور اسلام کی روشن دلیل بنا دیا تھا۔

معرکۂ خیر و شر کا فطری اصول

علمِ الٰہی میں مقدر تھا کہ خیر وشر کی معرکہ آرائی ہمیشہ رہے اور اہلِ حق ہر دور میں ایک سلسلہ سے چلیں، اخلاف' اسلاف کی میراث پائیں اور سچائی کا درخت ایک ہی جڑ سے پُر بہار ہو' اس کے مقابل باطل کے سائے کتنے ہی پھیلیں، سب منتشر رہیں، پچھلے پہلوں سے الجھیں اور مادیت سے سلجھیں' ان کا وجود اوپر ہی اوپر ہو، گہرائی کسی کے نصیب نہ ہو اور شجرۂ خبیثہ کو کہیں قرار نہ ملے۔

حق اپنے پاؤں چلتا ہے اور باطل کو چلانے کے لئے پاؤں لگانے پڑتے ہیں، اسباب' حق کو پھیلانے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں' جڑ لگانے کے لئے نہیں۔ حق وہ شجرۂ طیبہ ہے' جس کی جڑ قائم ہوتی ہے' برگ و بار اطرافِ عالم میں پھیلتے ہیں' نظام فکر واحد متصل رہتا ہے' ہر فصل بار آور ہوتی ہے اور اسے وہ کمال میسر آتے ہیں' جن کے نقشِ پا سے صدیوں تک منزلوں کے چراغ روشن رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

''کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان کی' اچھی بات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ستھرا درخت اس کی جڑ قائم اور شاخ آسمان میں ہے' وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں' تاکہ وہ فکر کریں اور بری بات کی مثال ایسی ہے' جیسے گندا درخت جو کھڑا ہو زمین کے اوپر سے، اسے کوئی قرار نہ ملے''۔ (پ ۱۳: سورہ ابراہیم)

شجرۂ طیبہ کی جڑ انبیاء کرام کی الٰہی ہدایت ہے' وحی کی بارش اسے بار آور کرتی ہے' صحابہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کی صف اس کا مضبوط تنا ہے' ان کے کارناموں کو قرار اور گہرائی نصیب ہوئی' بدر و اُحد اور فارس و روم میں ان کے خلاف جھکڑ چلے' مگر حق کا یہ درخت اپنی جڑوں پر قائم رہا' یہی لوگ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے قرار پائے۔ قرآن کریم انہیں خیر امت کہتا ہے' اور ان کی روشنی میں چلنے والے بھی خیر امت میں شامل ہوتے رہتے ہیں: ''کنتم خیر امة اخرجت للناس'' تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے۔

اس خیر کا عمومی اثر ان ادوار تک رہا جنہیں تاریخ خیر القرون کے نام سے یاد کرتی ہے' ان کے بعد یہ خیر متفرق گوشوں سے ظاہر ہوئی اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئی' برصغیر پاک و ہند میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس سعادت سرمدی سے دہلی کے چراغ روشن ہوئے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے وہ نابغۂ روزگار اٹھے' جن کی تابانی اور

قربانی اکناف واطراف کو روشن اور لالہ زار کرتی رہی اور حق کا کلمہ طیبۃ اصلھا ثابت کے مرکز سے فرعھا فی السماء میں عجیب شان سے نکھرتا اور مختلف تحریکوں سے بکھرتا رہا اور بکھرتا چلا گیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد یہ مرکزیت دیوبند منتقل ہوئی اور پھر دیوبند سے علم وارشاد اور عمل و استناد کے وہ اساطین اٹھے کہ خیر القرون کی یاد تازہ ہوگئی، رشد و ہدایت کے در و دیوار قال اللہ و قال الرسول کی صداؤں سے گونج اٹھے اور افکار و قلوب نورِ معرفت سے منور ہوگئے۔

دیوبند کا بین الاقوامی تعارف

دارالعلوم دیوبند ابتداء میں علوم اسلامی کی ایک ہندی درسگاہ تھا، صرف ہندوستان کے تشنگانِ علم و معرفت اس کی طرف رجوع کرتے، بیرونِ ہند اس کا پورا تعارف نہ تھا، برطانیہ کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں حصہ لینے والے علماء نے دیوبند میں ایک اسلامی مرکز قائم کیا ہے، انگریزوں کا اندیشہ فطری تھا کہ اس درسگاہ سے تعلیم لینے والے کس قسم کا ذہن لے کر نکلیں گے، پہلی جنگ عظیم میں ترک، جرمنوں کے ساتھ تھے، ہندوستان میں ترکی کی حمایت انگریزوں سے ایک براہ راست ٹکر تھی، ہندوستان کے مسلمان، ترکوں کی خیر خواہی کو اسلامی اخوت کا تقاضہ اور پھر آزادی ہند کی طرف ایک موثر قدم سمجھتے تھے۔

ان دنوں ترکوں کی طرف سے غالب پاشا حجاز کے گورنر تھے، دیوبند سے شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۱۵ء میں حجاز پہنچے، غالب پاشا سے ملاقات کی، ہندوستان کے مسلمانوں اور سیاسی حالات سے ترکی حکومت کو آشنا کیا، مسلمانانِ ہند کا جذبہ خیر سگالی پیش کیا اور اپنی تحریک آزادی کے کچھ خد و خال پیش کئے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے غالب پاشا سے مسلمانان ہند کے نام، غازی انور پاشا کے نام اور مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تین تحریریں حاصل کیں، شیخ الہند کی تحریک ریشمی رومال اس سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔

اب دیوبند کا تعارف ترکی میں ہو چکا تھا، شیخ الہند اس سے پہلے افغانستان میں یہ کام شروع کر چکے تھے، بالاکوٹ کی قربانیوں نے اس علاقے میں گہرے اثرات چھوڑے تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے افغانستان میں ایک بند باندھنا چاہتے تھے، آپ نے ۱۹۱۵ء میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کابل بھیج دیا، مولانا سندھی لکھتے ہیں:

''کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس جماعت کے نمائندے تھے، اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے۔''

(کابل میں سات سال، صفحہ ۱۰۴)

علمائے دیوبند کے بین الاقوامی تعارف کی یہ ابتدائی جھلک ہے، لیکن اس کی حیثیت صرف ایک مجاہدانہ اور سیاسی تعارف کی تھی اور اس میں یہ بات بھی لپٹی تھی کہ مسلمانانِ ہند کو ان بزرگانِ دیوبند پر عظیم اعتماد حاصل ہے۔

دیوبند کے خلاف ایک نئی تحریک

جرمنی کی شکست کے بعد ترکی براہ راست انگریزوں کی زد میں تھا' علماء دیوبند ترکوں کی حمایت میں بہت آگے نکل چکے تھے' ہندوستان میں یکا یک تحریک اٹھی کہ ترک خلافت کے مستحق نہیں اور یہ کہ مسلمانانِ ہند میں دارالعلوم دیوبند کے علمی اور دینی اعتماد کو کمزور کیا جائے، جبکہ سوادِ اعظم مسلمانانِ ہند دو دھڑوں میں نہیں بٹتی' انگریزوں کو ہندوستان پر حکومت کرنی آسان نہ ہوگی۔

یہ وہ دور ہے جب مولانا احمد رضا خاں صاحب علماء دیوبند کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچے' علماء دیوبند کی اردو عبارات کو اپنی ترتیب اور اپنے ترجمہ سے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا اور ان پر کفر کا فتویٰ حاصل کیا' اور ہندوستان آ کر حسام الحرمین کے نام سے امت میں تلوار چلا دی' علماء حجاز پر اس باب میں ملامت نہیں' جواب سوال کے مطابق دیا جاتا ہے' کوئی سوال ہی بدل کر پیش کرے تو جواب بھی اسی کے مطابق ہوگا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک وہاں علماء دیوبند کا علمی اور دینی حیثیت سے پورا تعارف نہ تھا' یہ صحیح ہے کہ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں درسِ حدیث کا آغاز کر چکے تھے' لیکن انہیں ابھی تک وہاں اپنے اساتذہ واکابر کے اعتقادی تعارف کی کبھی ضرورت محسوس نہ ہوئی تھی' دیوبند نہ کسی فرقے کا نام ہے اور نہ اس نام سے وہ اپنا کوئی تعارف کرانا چاہتے تھے۔

حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی مرکزی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کو ایک علیحدہ فرقہ ہونے کی تہمت سے بچایا جائے' قدوۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اٹھے' اور علماء دیوبند کے اصل عقائد عربی میں تحریر کئے' تمام علماء دیوبند سے اس پر تصدیقات حاصل کیں' حسام الحرمین کے فریب کو آشکار کیا اور علماء حرمین سے ان کے عقائد کی تصدیق حاصل کی۔ المهند علی المفند اسی تحریر کا نام ہے' حضرت محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے پھر بذل المجهود پانچ ضخیم جلدوں میں عربی میں تالیف فرمائی' علماء دیوبند کے اعتقادی اور فقہی مواقف دنیا کے اہلِ علم کے سامنے آئے اور پورا عالمِ عرب علماء دیوبند سے متعارف ہوگیا۔

علامہ سید رشید رضا مصری اسی شہرت پر ۱۹۱۲ء میں دیوبند تشریف لائے' سید العلماء حضرت مولانا انور شاہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عربی تقریر کے بعد علامہ رشید رضا نے فرمایا:

''مجھے اس مدرسے کو دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی' حضراتِ علماء کرام! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں اس مدرسہ کو نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین جاتا' ہندوستان آ کر اس مدرسہ کی نسبت جو کچھ میں نے اب تک سنا تھا' اس سے بہت زیادہ پایا۔''

آپ نے مصر جا کر اپنے ممتاز جریدہ المنار میں دارالعلوم دیوبند کا تعارف نہایت پرشکوہ الفاظ میں کرایا' اس بین الاقوامی تعارف سے دیوبند کی علمی عظمت اور روشن ہوئی۔

روس میں دیوبند کی آواز

مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل جلاوطنی بھی بیرونِ ہند دیوبند کے تعارف کا سبب بنی۔ مولانا سندھی مختلف ممالک میں پھرنے کے بعد روس بھی گئے' اور وہاں اسلام کا نام پیش کیا' مگر بدلے ہوئے حالات نے جواب دیا کہ مولانا آپ کچھ دیر سے پہنچے ہیں' اب ہم ایک تجربے میں داخل ہو چکے ہیں' تاہم مولانا کی مساعی برابر اس بات کی ترجمان رہیں کہ دیوبند کی نہضت علمی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ حکمت کی ہی ترجمان ہیں' اور شاہ صاحب کا اقتصادی فلسفہ اسلام کے ہمہ گیر نظریۂ حیات کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

حجاز کے نئے حالات میں دیوبند کی آواز

حجاز میں ملک عبدالعزیز کی حکومت قائم ہوئی اور توحید وسنت کا نور پھیلا' شریفِ مکہ ترکوں کے خلاف انگریزوں کے حلیف رہے تھے' شریف اور انگریزوں کو آل سعود کی یہ حکومت پسند نہ تھی' انگریزی نوآبادیات اور برطانوی مقبوضات میں ملک عبدالعزیز کے خلاف ایک بین الاقوامی پروپیگنڈہ شروع ہوا' انگریزوں نے ہندوستان میں سعودی حکومت کے خلاف مزاراتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے عنوان سے احتجاجات کرائے اور یہ تحریک بہت زور وشور سے سامنے آئی' علماء دیوبند نے اس موقعہ پر کلمہ حق کا فریضہ ادا کیا' ان پر مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے' لیکن کتاب وسنت کی شمع فروزاں برابر ان کے ہاتھ میں رہی' ۱۳۴۴ھ میں جمعیت علماء ہند کی طرف سے مفتی اقلیم ہند، مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حجاز پہنچے اور عالمِ اسلام کے بین الاقوامی اجتماع میں مسائل پیش افتادہ پر کتاب وسنت اور مسالکِ اربعہ کی روشنی میں نہایت بصیرت افروز تقریریں کیں' یہ واقعہ بھی دیوبند کی بین الاقوامی شہرت میں مزید اضافے کا سبب بنا۔

بین الاقوامی تعارف میں عظیم علمی قدم

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا عربی ذوق' علامہ زمخشری اور محقق

جرجانی کی ہمسری کرتا تھا' اس ذوقِ عربیت کا خاصا اثر ان کے تلامذہ میں بھی تھا' مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فیض الباری (عربی) چار جلدوں میں تالیف کی اور پھر خود بھی مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے' مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ شریف کی عربی شرح سات جلدوں میں تالیف کی' مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عربی قصائد اور عربی تالیفات سے بھی عربی ادب میں خاصہ اضافہ ہوا۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے مولانا ظفر احمد عثمانی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے عربی میں گرانقدر تالیفات پیش کیں' ان عربی تالیفات سے عالم اسلام میں دیوبند کا چرچا ہوا' اور دیوبند کی علمی شہرت اس عظمت کو پہنچی کہ سعودی عرب کے سب سے بڑے عالم شیخ عبدالعزیز بن باز رئیس مجمع البحوث الاسلامیہ ریاض نے مفتی محمد شفیع مرحوم سے حدیث کی سند لی اور علماء دیوبند سے وابستگی میں ایک اعزاز سمجھا' یہ علماء دیوبند کی بین الاقوامی عظمت کی ایک عظیم شہادت ہے۔

یورپ میں علماء دیوبند کی آمد

دیوبند میں کچھ انتظامی قسم کے اختلافات پیدا ہوئے' اس اختلاف سے خیر کا ایک اور چشمہ پھوٹا۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور دیگر کئی علمائے اعلام ڈابھیل (علاقہ گجرات کاٹھیاواڑ) پہنچے' جامعہ اسلامیہ ڈابھیل علمی شہرت میں عالمی حیثیت اختیار کر گیا' اس علاقہ کے متعدد حضرات بلادِ افریقہ خصوصاً جنوبی افریقہ میں آباد تھے' ان کے اثر و ربط سے علماء دیوبند افریقی ممالک پہنچے اور جن شخصیات نے وہاں گہرے نقوش چھوڑے' ان میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں' اس وقت افریقی ممالک میں کوئی خطہ ایسا نہیں' جہاں ان حضرات کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ اسلام کے لئے کام نہ کر رہے ہوں۔

افریقی ممالک میں اسلام کا زمزمہ

یورپ میں مسلمان پہنچے تو علماء اسلام نے ان کی بھی دینی رہنمائی کی' اسلامی تعلیمات میں یورپین مستشرقین کا ہدف طعن زیادہ تر حدیث رہا ہے' ضرورت تھی کہ علماء دیوبند یورپ میں بھی حدیث کا دفاع کریں اور یہاں کے علمی حلقوں میں حدیث کا مسلم نقطۂ نظر بھی سامنے آئے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی امالی علیٰ صحیح البخاری کا انگریزی ترجمہ یورپ پہنچا' اس کے ساتھ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا مقدمہ حدیث بھی یہاں ترجمہ ہو کر پہنچا' ان تراجم سے یہاں عربی اور علومِ اسلامی کے حلقے چونکے' اور حدیث کے بارے میں پہلی بار مسلمانوں کا موقف ان کے سامنے آیا' پھر مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا محمد یوسف

بنوری رحمۃ اللہ علیہ خود بھی یہاں دو دو بار تشریف لائے' اور یہاں کی عام اور خاص مجالس میں علم وعرفان کے موتی بکھیرتے رہے۔

یہ اس شجرۂ طیبہ کی بہار ہے جو ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی کی بعد علماء حق نے دیوبند میں لگایا تھا۔ برطانوی سامراج اور ان کے ہمنواؤں کی انتہائی مخالفت کے باوجود یہ **شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت** کی جڑ پر قائم رہا اور اس کی شاخیں مصر وشام، عرب وعجم، ہندوچین، ترکی، افغانستان، ملائشیا' انڈونیشیا اور افریقہ ویورپ میں **فرعھا فی السماء** کا مصداق بن کر لہرائیں اور آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان اکابر کے علم وعرفان کی کرنیں نہ پہنچی ہوں۔

لیکن اس بین الاقوامی عظمت میں جو شخصیت خود بین الاقوامی بن کر ابھری' وہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تھے' علماء دیوبند کا فیض جن جن عالمی حلقوں میں پہنچا، آپ وہاں بہ نفس نفیس پہنچے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بعید نہ تھا کہ ایک شخص میں پورے عالم کو جمع کردے۔

ولیس علیٰ اللّٰہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحد

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ عربی ادب اور علمِ حدیث میں اپنے شیخ حضرت مولانا انور شاہ قدس سرہ کے صحیح جانشین تھے' قرآن فہمی اور علم تفسیر میں اپنے شیخ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح یادگار تھے' فقہ میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی یاد تازہ کرتے تھے اور ختم نبوت کی عقیدت میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے وارث تھے' عظمت صحابہ پر آپ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ تھے اور تقویٰ وتزکیہ میں آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ تھے۔ آپ کی پیشانی پر حق کا جلال چمکتا تھا اور جس مجلس میں آپ تشریف فرما ہوتے کسی کا یارا نہ تھا کہ آپ کا کسی بات میں سامنا کرسکے۔ صدر ایوب بھی آپ سے ملتے تو دبے دبے رہتے اور مسٹر بھٹو نے بھی جب کبھی آپ سے ملاقات کی تو آپ کی شخصی عظمت کا دباؤ محسوس کیا۔

مولانا مرحوم کی بین الاقوامی شخصیت کے تعارف میں ہم مولانا مرحوم کی ہی ایک تحریر پیش کرتے ہیں:

''ماہ رمضان المبارک کے اواخر میں راقم الحروف مدینہ طیبہ میں معتکف تھا کہ مملکت لیبی کے پاکستانی سفارت خانے کا اسلام آباد سے ایک دعوت نامہ پہنچا کہ حکومت لیبیا کے پایۂ تخت طرابلس (ٹریپولی) میں ایک اسلامی کانفرنس منعقد ہورہی ہے' بحیثیت پاکستانی مندوب آپ شرکت کریں..... سفارت خانے والوں کو معلوم

ہوا کہ میں حجاز مقدس میں ہوں تو پتہ معلوم کر کے ایک طویل ٹیلیگرام بھی دیا۔ ایک ٹیلیگرام مدینہ دیا گیا اور ایک مکہ مکرمہ اور پھر تیسرا ٹیلیگرام جدہ دیا گیا کہ بیروت سے تمہاری سیٹ ۹ دسمبر ۱۹۷۰ء کو برائے طرابلس محفوظ کر دی گئی ہے، کچھ عرصہ سے لیبیا میں انقلابی حکومت قائم ہو چکی تھی، ...خیال تھا کہ جس طرح انقلابی حکومت شام، سوڈان اور جنوبی یمن کی ہے، اسی طرح کی یہ حکومت بھی ہوگی.....دو تین دن بعد دکتور الاستاذ محمد مبارک شامی سے جو آج کل کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ کے عمید ہیں، ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ بھی مدعو ہیں اور دکتور الاستاذ مصطفیٰ زرقاء شامی جو آج کل کویت کی حکومت کی طرف سے فقہ اسلامی کے انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب وتدوین پر مامور ہیں، وہ بھی کانفرنس میں مدعو ہیں اور رباط (مراکش) سے دکتور الاستاذ عمر بہاء الامیری جو ابتداء میں پاکستان میں صوریہ کی طرف سے سفیر رہ چکے ہیں، وہ بھی اس کانفرنس میں نمائندگی کریں گے۔ چونکہ ان حضرات سے میں براہ راست واقف تھا، بلکہ یہ میرے احباب تھے، اس لئے اب مجھے اطمینان ہوا کہ کانفرنس والوں کی نیت بخیر ہے، انشاء اللہ شرکت مفید ہوگی، اس کے بعد تار کے ذریعہ لیبی سفارت خانے کو منظوری کی اطلاع دے دی۔"

(بینات، کراچی، ذوالقعدہ ۱۳۹۰)

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

"غالباً پانچ برس کی بات ہے کہ مجمع البحوث الاسلامیہ کی موتمر میں مدعو تھا، اس وقت قاہرہ میں ہمارے پاکستان کے سفیر اے کے دہلوی وہ مجھ سے اس دوران میں کچھ مانوس سے ہو گئے تھے، اپنی قیام گاہ پر مجھے استقبالیہ دعوت دی، فراغت کے بعد مجھ سے کہا کہ: میرا ایک پیغام آپ ہمارے صدر مملکت جناب ایوب خاں کو پہنچا دیجئے، ان کو بتائیں کہ دنیا میں حکومت ایسی ہوتی ہے جیسی صدر جمال عبدالناصر کرتا ہے، میں نے پوچھا وہ کیسی؟ فرمایا: اس کے بچے اسکول اور کالج سائیکل پر جاتے ہیں، اس کے لئے موٹر نہیں، کسی بینک میں اس کا کوئی کھاتہ نہیں، جتنی زمین ان کی ملکیت تھی، صدر بننے کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، جس وقت وہ کرنل تھے اس وقت جس مکان میں رہتے تھے، بدستور اسی مکان میں رہتے ہیں۔" (بینات کراچی، رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ)

اس قسم کے واقعات اور مذاکرات سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بین الاقوامی حیثیت سے کس شخصیت کے مالک تھے، ان کو بوریہ نشینی نے ان کے سامنے شاہوں کی عظمت کو مات کر دیا تھا، جو بات سفراء اور وزراء اپنے صدر سے نہ کہہ سکتے تھے، اس کے لئے مولانا مرحوم کی ندر شخصیت روشنی کا مینار تھی۔

صدر ایوب کے دور میں لاہور میں ایک عظیم اسلامی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اس میں عرب ممالک کے جید علماء کرام کے ساتھ یورپ اور امریکہ کے مستشرقین بھی کثیر تعداد میں شامل تھے، یہ کانفرنس کئی دن جاری رہی، اس کانفرنس کی زبان زیادہ تر عربی یا انگریزی تھی اور ہر ایک نے ان دو زبانوں میں سے ہی کسی کے ذریعہ

اظہار خیالات کرنا ہوتا تھا‘ اس موقع پر پاکستان کے جن علماء نے پاکستان کی عزت رکھی اور کانفرنس سے عربی میں خطاب کیا‘ وہ مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم اور حضرت مولانا بنوری مرحوم تھے۔ مستشرقین عربی زبان (گو بولتے نہیں) سمجھتے تھے اور عربوں کی تو یہ مادری زبان تھی، ان کے سامنے عربی میں خطاب اور پھر عربی میں ہی ان کے ساتھ بصیرت افروز مذاکرات اس کانفرنس میں پاکستانی نمائندگی کی جان تھے‘ ایسے موقعوں پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی بین الاقوامی شخصیت‘ ایسے نمایاں ہوتی جیسے ان کے جملہ اسلاف کی روح ان میں سمٹ آئی ہو۔

بین الاقوامی شخصیت بین الادارتی خدمت میں

پاکستان میں اہلِ حق مختلف پیمانوں سے دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں‘ دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں‘ جہاں اہلِ حق کی محنت نہ لگی ہو، درس وتدریس کی خدمت ہے تو تنظیمِ مدارس کی بھی فکر ہے۔ تبلیغ وتذکیر کی محنت ہے تو تالیف واشاعت کا کام بھی ہے۔ مذاہب ہدیٰ کے خلاف دمغِ باطل ہے تو سیاسی تقاضوں پر بھی نظر کامل ہے۔ اہلِ حق نے دین کے ان خاکوں میں ہر طرح سے محنت کے رنگ بھرے ہیں، کسی بزرگ نے کسی گوشے کو سنبھالا اور کسی کا کسی ایک طبقے سے پالا پڑا‘ مگر جس شخصیت نے ہر ایک شعبہ عمل میں اپنی محنت کے پھول چنے‘ وہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور آپ کی دینی خدمات کسی ایک ادارے کے لئے نہیں‘ بین الادارتی تھیں۔

آپ مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث تھے تو وفاق المدارس العربیہ کے صدر بھی۔ تبلیغی جماعت کی نصرت کرتے تو تذکیر میں بھی دلوں کو گرماتے۔ ایک باذوق مصنف تھے تو نشر واشاعت کے عصری تقاضوں سے بھی عہدہ برآ تھے۔ دمغِ باطل کے لئے مجلس تحفظ ختم نبوت کے صدر تھے تو قادیانیت کے خلاف مجلس عمل کے بھی صدر تھے۔ تعظیمِ صحابہ میں تنظیم اہلسنت کے سرپرست تھے۔ تو بدعت کے خلاف احیائے سنت کے بھی علمبردار تھے۔ ملک کے سیاسی تقاضوں میں جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ تھے تو اسلامی مشاورتی کونسل جیسے اداروں میں بھی اہلِ حق کے نمائندے اور شریک کار تھے۔ آپ کی شخصیت مسلکِ دیوبند (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کے دونوں حلقوں میں برابر کی معتمد اور مقتداء تھی اور دونوں حلقے آپ کے عظمت واخلاص اور علم واہتداء کے معترف تھے، آپ کی وفات سے اہلِ حق ایک ایسے بزرگ سے محروم ہو گئے جو ان کے دونوں حلقوں میں مجمع البحرین اور مطلع السعدین تھا۔

علمی تبحر اور علمی خدمات

شاگرد اساتذہ کی تعریف کریں تو بسا اوقات حقیقت کی بجائے عقیدت بولتی ہے‘ لیکن جوہر جب جلا پاتا ہے تو ہر آنکھ اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے جن کے علم

کی تلامذہ نہیں اساتذہ شہادت دیتے تھے۔ مولانا بنوری نے قیامِ ڈابھیل کے دوران فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک مفصل بحث تحریر کی' ان مباحث میں فصاعداً کی بحث اہلِ علم میں معروف ہے' حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس موضوع پر کلام کیا ہے' مولانا بنوری جب یہ تحریر مکمل کر چکے تو آپ نے اپنے استاد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے مکان پر دعوت کی، کھانے کے بعد آپ نے وہ تحریر حضرت مولانا کو دکھائی اور پڑھ کر سنائی، مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بلا تامل فرمایا۔ ''اس بحث کا اس سے زیادہ افصاح طوق بشر سے خارج ہے۔''

علم حدیث میں آپ کے تبحر کی شہادت آپ کی مبسوط شرح ترمذی معارف السنن بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکی ہے' آپ کو مصر و شام اور عرب و مغرب کی کوئی معروف لائبریری ایسی نہ ملے گی جہاں اس کی چھ ضخیم جلدیں موجود نہ ہوں' خدا کرے کہ باقی جلدیں بھی طباعت پذیر ہوں۔

تقریباً پچاس سال پہلے پنجاب میں بات چلی کہ لاہور کی جملہ بڑی مساجد صحیح طور پر قبلہ رخ نہیں' اس بات کے پیچھے بڑے بڑے ریاضی دان تھے جو انگلستان کی ممتاز یونیورسٹیوں کے سند یافتہ تھے' بے دین لوگ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہر مجلس میں دینی شعائر اور دینی طبقات موضوع بحث بن جاتے ہیں' ہندوستان میں یہ بات پھیلی تو حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بغیۃ الاریب فی القبلہ والمحاریب لکھ کر اہلِ علم پر حجت تمام کی۔ آپ کے اس علمی شاہکار نے ہر موافق و مخالف سے خراج تحسین حاصل کیا۔

فقہ اور اس کی ضروریات

محدثین اور فقہاء کے ذوق عام طور پر مختلف ہوتے ہیں' ہر شخص امام مالک اور امام محمد نہیں ہوتا کہ یہ دونوں ذوق اپنے اندر جمع کر لے۔ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ممتاز محدثین میں سے تھے جن کا فقہی ذوق اور حدیث کی نکتہ رسی ان کو فقہاء کی صف میں بھی لا کھڑا کرتی ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے کہنہ مشق فقیہ آپ کے ذوقِ فقہ کے قائل اور علمی عظمت کے معترف تھے اور اہم فتاوے کے لئے علماء کی جو مجلس بھی بیٹھتی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں ضرور موجود تھے۔

صدر ایوب کے دور میں عائلی قوانین کی بحث خوب چلی۔ پاکستان میں غیر اسلامی عائلی قوانین نافذ کر دیئے گئے۔ سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی سعادت ہر کسی کو نہیں ملتی' اس مرحلے پر مجاہد کبیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے علماء حق کو جمع کیا' غیر اسلامی قوانین کے خلاف آواز اٹھائی' اس

مقصد کے لئے علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ مولانا شمس الحق افغانی، مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمود صاحب اس کمیٹی کے سربراہ تھے۔ راقم الحروف بھی اس کمیٹی کا ایک ممبر تھا اور یہ مرحلہ میرے لئے ایک شیریں یاد ہے جب ہم مردان میں اس عظیم دینی کام کے لئے جمع ہوئے' اس کمیٹی میں عائلی قوانین پر جو تنقیدات کی گئیں اور جو متبادل تجویزات سامنے آئیں' وہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اسی دور میں چھپ گئی تھیں۔

جمعیۃ علماء اسلام نے یحییٰ خان کے دور میں پاکستان کا دستور' اسلامی خطوط پر مرتب کیا تھا' جمعیۃ نے اس کی لئے جو کمیٹی مرتب کی، اس کے بیشتر اجلاس جامعہ مدنیہ لاہور میں منعقد ہوئے' اس میں بھی مجھے حضرت مولانا افغانی، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمود صاحب کے ساتھ شرکت کی سعادت ملی۔ ہمارے یہ اجلاس تقریباً ایک ماہ تک رہے' اس کارکردگی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس انداز سے رہنمائی کرتے، گویا وہ فقہ اور عصری تقاضوں کے مابین ایک بہترین ربط اور کلیاتِ اسلام کے لئے ایک جامع ضبط ہوں۔

بصیرت اور مومنانہ فراست

تقسیمِ ہند سے بہت پہلے کی بات ہے' جب پنجاب کے بعض اہلِ قلم نے ایک اسلامی تنظیم قائم کی' حضرت مولانا ابوالحسن ندوی اور مولانا منظور نعمانی کے ساتھ مولانا بنوری کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی' حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں ڈابھیل میں مقیم تھے' حدیث میں ہے ''مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''۔ آپ نے ابتداء ہی ان خطروں کو بھانپ لیا جو مولانا ندوی اور مولانا نعمانی پر کچھ دیر بعد میں کھلے اور مولانا اصلاحی تو بہت دیر بعد جاگے۔ حضرت بنوری نے ایک مجلس میں مجھے بتایا کہ: مجھے ابتداء سے ہی اس میں معتزلہ اور خوارج کی جھلک نظر آرہی تھی' اور بعد کے حالات نے بتایا کہ میرے خدشے درست تھے۔ کفر کے سوا شاید ہی کوئی غلطی ہو جو اس داعیِ حق سے نہ صادر ہوئی ہو' آپ نے فرمایا کہ: جو شخص اسلاف سے کٹ کر چلے وہ کسی طرح صراطِ مستقیم پر نہیں رہ سکتا۔

ذوقِ تالیف واشاعت

آپ جب دیوبند سے ڈابھیل تشریف لائے تو ذوقِ تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے تالیف واشاعت کی طرف بھی توجہ کی۔ آپ کا ذہن معہد تدریس پر قانع نہ تھا' اونچی کتابوں کے درس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایک بلند پایہ مجلس علمی بھی قائم کی' اس طرف کے بہت سے رؤسا ساؤتھ افریقہ میں آباد تھے' وہ مجلس کی سرپرستی کرنے لگے' دیکھتے ہی دیکھتے یہ مجلس ہندوستان میں ایک معروف دارالاشاعت بن گئی' مجلس علمی نے حدیث اور دوسری مہمات اسلام پر گرانقدر تالیفات شائع کیں' فیض الباری علی صحیح البخاری اسی مجلس علمی کی

یادگار ہے، حافظ الحدیث علامہ جمال الدین زیلعی کی نصب الرایہ چار ضخیم جلدوں میں مصر کی نفیس طباعت کے ساتھ اسی مجلس علمی نے شائع کی، بغیۃ الالمعی کے نام سے اس پر تحقیقی حاشیے لکھوائے، کتاب الحج تک اس کا حاشیہ محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیز (گوجرانوالہ) کا لکھا ہوا ہے، مجلس علمی نے اس کتاب کو بڑی آب وتاب سے شائع کیا۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا بلادِ عربیہ کا پہلا سفر اسی مجلس علمی اور اس کی تالیفات کی اشاعت کے لئے تھا، اس سے آپ کے ذوق تالیف واشاعت کا پتہ چلتا ہے، آپ نے اپنے اس سفر میں مختلف مراکز علمی میں عربی میں بلند پایہ تقاریر کیں اور یہیں آپ کے عربی ذوق کو مزید نکھرنے کا موقع ملا۔

آپ جب کراچی تشریف لائے تو مجلس علمی بھی ساتھ لائے، کراچی میں آپ کی سرپرستی میں مولانا طاسین اس مجلس کے نگران ہیں، علمی کتابوں کی تدوین جدید میں آپ عالمی شہرت کے مالک تھے، حدیث آپ کا موضوع زندگی تھا، دنیا میں جہاں کہیں حدیث کا کوئی نادر ذخیرہ مطلوب اشاعت ہوتا، آپکا مشورہ اور آپ کی مدد اس کے لئے ضروری سمجھی جاتی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، محدث عبدالرزاق صغانی (۶۵۰ھ) کی کتاب ''المصنف'' کے تحشیہ واشاعت میں آپ کے تعاون سے ہی کامیاب ہوئے اور اس طرح بیسیوں علمی ذخائر ہیں، جن کی نشر وتحقیق اور تالیف واشاعت میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت خاموشی سے کام کرتے رہے۔

احقاق الحق اور دمغ الباطل

رابطہ عالم اسلامی میں قادیانیوں کے خلاف قرارداد آپ کی ہی محنتوں کی رہین احسان ہے۔ شاہ فیصل سے آپ کے تعلقات بہت قریب کے تھے، پاکستان میں قادیانیوں کے خلاف فکری اور قانونی جنگ آپ کی قیادت میں ہی لڑی گئی اور ختم نبوت کی عظیم معرکہ آرائی جو انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ''الف'' سے شروع ہوئی تھی، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''ی'' پر ختم ہوگئی۔ قادیانیت کو بے نقاب کرنے کے لئے آپ نے افریقہ اور یورپ کے سفر بھی کئے اور آپ ان خوش قسمت راہنماؤں میں سے ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی محنتوں کو کامیابی سے ہمکنار ہوتے دیکھا۔

پاکستان میں جو تحریکیں اعتزال اور خارجیت کے سایوں میں پل رہی تھیں، آپ نے ان کے خلاف بھی محنت کی اور ان داعیانِ عصر جدید کے افکار وحیات پر برملا تنقید کی، سیاسی جدوجہد میں جمعیۃ علماء اسلام کا ساتھ دیا اور اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہا۔

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات میں ایک شخصیت نہیں، ایک ادارہ تھے۔ ایک ادارہ نہیں، ایک عہد تھے۔ آپ نے اپنی نظر ونکر اور دینی محنت سے ایک ادارہ نہیں، ایک عہد چھوڑا ہے۔ آپ کی وفات سے

بڑے بڑے اہل ہمت کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔ آپ اپنی خداداد قابلیت سے اہلِ حق کے ہر شعبہ عمل کے لئے ایک عظیم سہارا تھے۔

و ما کان قیس ھلکہ ھلک واحد

و لکنہ بنیان قوم تھدما

ختم نبوت کی خدمت میں مولانا منظور احمد چنیوٹی آپ کے شاگرد رشید ہیں' عربی ادب میں محترم ڈاکٹر عبدالرزاق آپ کی صحیح یادگار ہیں۔ مجھے ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ کچھ دن مصر میں گزارنے کا موقع ملا تھا۔ ازہر کے سایہ میں ان کی باتوں کی تازگی آج بھی اسی طرح محسوس ہو رہی ہے۔ فقہ اور حدیث میں آپ کے جانشین مفتی ولی حسن صاحب اور مفتی احمد الرحمٰن خلف الرشید حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری اور ان کے اقران و امثال ہیں۔ مولانا مرحوم کی وفات سے اہلِ حق کی صفوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے' وہ کسی ایک شخصیت سے پُر ہوتا نظر نہیں آتا۔ خدا کرے ان کے مختلف جانشین مختلف شعبوں میں ان کی یاد تازہ رکھیں' اور بقدر ہمت و استطاعت اس کام کو جاری رکھیں' جو حضرت مرحوم نے رضائے باری تعالیٰ اور حق کی نصرت کے لئے اختیار کر رکھا تھا۔

''آج ٹیلیویژن کی ایجاد پر دنیا محو حیرت ہے اور اسے سائنسی معجزہ کہا جاتا ہے۔ لیکن نبوت ٹیلیویژن اور لاسلکی نظام کی رہین منت نہ تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ان اسباب کے بغیر عالم غیب لا کھڑا کر دیا جاتا ہے اور مسجد نبوی کی دیوار قبلہ میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بحالت نمازِ کسوف کرا دیا جاتا ہے۔'' (بصائر وعبر، جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ)

.....☆.....☆.....☆.....

''برائی کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہوتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت و حقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ وہ ''معیار شرافت'' بن جاتی ہے۔''

(بصائر وعبر، شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ)